Respected Urdu Lover,

Greetings and Welcome,

Our mission is to upload 1,001 Free Urdu Novels by 2010. You can help us by

(1) Composing some pages of the upcoming Novels

(2) Emailing this Novel to your 50 friends.

For more details please visit now: **www.1001Fun.com**

:: Our Special Thanks to ::

www.OneUrdu.com
www.PakStudy.com
www.UrduArticles.com
www.UrduCL.com
www.NayabSoftware.com

اردو پسندوں کو آداب اور خوش آمدید

ہمارا مشن دو ہزار دس (2010) تک ایک ہزار ایک (1,001) مفت اردو ناول آن لائن کرنے کا ہے۔ آپ اردو سے محبت کے اس مقدس مشن میں ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں۔ ﴿1﴾ آئندہ ناول کے چند صفحات کی کمپوزنگ کر کے ﴿2﴾ یہ ناول اپنے پچاس (50) دوستوں کو ای میل کر کے۔ ﴿2﴾ مزید تفصیلات کے لیے ابھی وزٹ کیجیے۔

wwww.1001Fun.com

سنہرا پانی

از

رفعت سراج

اسکیننگ: ایچ مطہرہ

ناول کا آغاز

اماں شاید میرے عقل داڑھ نکل رہی ہے۔اس نے داہنے رخسار پر ہتھیلی جما کر کہا۔

اے ہاں اب اس لوٹھا کو عقل آ گی۔اماں کے بجا دادی جان نے جزدان میں کھونٹ بھرتے ہو ناگواری سے بڑبڑا کر کہا۔

جس کو باقاعدہ ٹریننگ سے عقل نہ آئی اسے داڑھوں سے عقل آ گی؟ غسل خانے سے نکلتے بھائی میاں نے تولیے سے سر رگڑتے ہو تمسخرانہ کہا۔

تب ہی اس کے ملیح ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔

کسی کے دکھ تکلیف کا احساس ہی نہیں۔جھاڑیں مارنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں سب۔

ٹھیک ہے میں کم عقل ہوں۔اس گھر میں جن کے پاس عقلیں ہیں وہ کیا ملکہ الزبتھ کے دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔کوئی سپروائزر،کوئی کلرک۔ہونہہ

اوئی۔اس کی سسکی نکل گئی۔ہونہہ کہہ کر سر جھٹکا تو تکلیف بڑھ گئی۔

ڈاکٹر کے پاس چلی جانا۔اماں کو ذرا احساس ہوا۔

رخسانہ کے ساتھ چلی جانا۔انہوں نے پھر کہا اور پوچھا۔کیا تکلیف زیادہ ہو رہی ہے؟

نہیں،بن رہی ہوں۔وہ دھپ دھپ کرتی۔۔۔اندر چلی گئی۔آج تکلیف کی وجہ سے اس کی خوش مزاجی بھی غائب تھی۔ورنہ بڑی سے بڑی بات پر ہنستی رہتی تھی۔

اے دلہن سر پر چڑھنے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔اس سے چھوٹی دو بچوں کی ماں ہے۔نامراد کو

کون پوچھے گا؟ مجھے پوہول آتا ہے سوچ سوچ کر۔کسی چیز میں تو طریقہ سلیقہ ہو۔

کیا کروں پھر اماں؟ اور بچیوں کو کون سا میں نے مار مار کر سکھایا ہے مگر کتنی سگھڑ ہیں۔اسے تو خود ہی کوئی شوق نہیں۔اماں نے بیچارگی سے جواب دیا۔

بس کھی کھی آتی ہے یا کھانا اور سونا اور دودھ ضرور ملے نواب زادی کو۔۔۔اب دیکھو چوبیس کا سن لگ گیا۔اس خالی کے چاند میں۔مجھے تو اچھی طرح یاد ہے۔سورج سوا نیزے پر تھا۔پتے سوکھ رہے تھے،دوسری جنگ عظیم کا کوئی منتقم بدلہ لینے کی خاطر دشمن پر بمباری کر رہا تھا۔

البتہ بھینسیں دودھ خوب دے رہی تھیں۔چھوٹے بھائی صاحب یونیورسٹی سے وارد ہو کر دادی جان کی بات میں مخل ہو۔

تو بھائی میاں نے قہقہہ بلند کیا۔وہ اندر کمرے میں سلگ کر رہ گئی۔

ہونہہ ابھی تو ابا جی کما رہے ہیں۔دودھ۔دودھ جیسے انہوں نے میرے لیے بھینسیں پال رکھی ہیں۔طعنے ایسے دیتے ہیں۔جیسے ان کا کھا رہی ہوں۔جسے دیکھو میرے کھانے پینے پر نظریں لگا بیٹھا ہے۔ہزار بار پیوں گی دودھ۔جلنے والے جلا کریں۔اس نے خود کو دلاسہ دیا۔

رخسانہ باجی میکے آئی ہوئی تھیں۔شام کو وہ خوبصورت چادر پہن کر کھڑی ہو گئی۔

چلو رخسانہ باجی ڈاکٹر کے پاس۔

کیوں بھئی۔تمہیں کیا ہوا ہے؟ انہوں نے حیرت سے اس کے صحت مند گلابی چہرے کو دیکھا۔

درد ہو رہا ہے داڑھ میں۔

اچھا، میں منّو کو دودھ پلا آؤں۔ سو جا گا۔ وہ باہر نکل گئیں۔

اچھا تو ہمارے بھی دن پھرنے والے ہیں۔ چھوٹے بھائی نے اندر داخل ہو کر پوچھا۔ سنا ہے تمہارے اپر چیمبر میں عقل نامی مہمان آ رہے ہیں؟

آپ سے مطلب؟ وہ چڑ کر بولی۔

ہاں بھئی، ہم سے کیوں مطلب نہیں۔

دیکھیں چھوٹے بھائی یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔ میں ویسے ہی مر رہی ہوں۔

ارے اتنی چوفزدہ مت ہو۔ بڑی اعلی چیز ہوتی ہیں عقل محترمہ۔ مایوسی کی باتیں مت کرو۔ نیک فال ہے تمہارے حق میں۔ وہ اس کے بستر پر لیٹ گئے۔

سارا گھر دشمن ہے میرا۔ وہ باہر چلی گئی۔

رخسانہ باجی تو معہ سگھڑاپے کے عرصہ ہوا سسرال سدھار چکی تھیں۔ اس سے چھوٹی نغمانہ بچپن ہی سے ماموں زاد سے منسوب تھی۔ اٹھارویں برس میں لگی ہی تھی کہ شادی کے تقاضے شروع ہو گئے۔

ابا جی پہلے آشیانہ کا بیاہ کرنا چاہتے تھے مگر بقول امیں کسی ڈھنگ کے آدمی نے اس کے لیے سوال ہی نہیں کیا تھا آج تک۔ وہ بھی بڑا عرصہ بھائی کو ٹالتی رہیں مگر کب تک؟

خاندان کی خواتین زیادہ ہی سگھڑاپا پسند تھیں اور ابا جی کے خاندان کے افراد ان کے گھر کے ذرا ذرا سے حال سے واقف تھے۔ ایک تو اس کا لاابالی پن، اس پر مستزاد اس کا منہ پھاڑ کر جواب دینا۔ شکل و صورت میں خاندان کی سب ہی لڑکیاں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھیں۔ اس پر اس کے اپنے دماغ بہت اونچے تھے۔ آج تک اسے کوئی بھایا ہی نہیں تھا۔ اپنے قابل ہی نہ لگا تھا۔

انٹر کے بعد پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ مگر چند سال بعد سخت بوریت ہوئی تو بیاندازہ ضد کر کے مقامی کالج میں داخلہ لے لیا۔ اماں اور دادی جان سخت خلاف تھیں اس کے دوبارہ کالج جانے کے، ان کے خیال میں اب اسے گھریلو امور میں طاق ہو جانا چاہیے تھا۔

ہونہہ، جو طاق ہیں وہ کیا کر رہی ہیں۔ وہ اسی لاابالی پن کا مظاہرہ کرتی۔ بچے سلا رہی ہیں بچے کھلا رہی ہیں۔ نہ اپنی نیند سونا نہ اپنی نیند جاگنا۔

بس اس نامراد کو تو اس کی نیند لے ڈوبے گی۔ دادی جان کڑھ کر کہتیں۔ کالج جانے سے آدھ گھنٹہ پہلے اٹھتی ہے۔ کالج سے آ کر کھانا کھا کر پھر سو جاتی ہے دیکھو تو ذرا، کوئی ذرا سی بچی ہو تو کہا جا۔ اس کا اٹھان دیکھو، اس کی جرکتیں دیکھو۔

تب وہ کھلکھلا اٹھتی۔ جو چاہے دیکھو بغیر ٹکٹ دیکھو۔ وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر گنگناتی۔

چل ہٹ پرے۔ تو تو اماں باوا کا نام ہی ڈبو کر رہے گی۔ وہ مسکراہٹ دبا مصنوعی برہمی سے بولتیں۔

نغمی شام کو گھر آئی تو بتایا کہ وہ خصوصی طور سے آئی ہے کل کوئی لڑکے والے اسے دیکھنے آ رہے ہیں۔

کرتا کیا ہے وہ؟ اس نے بغیر شرما پوچھا۔

یہ تو کل ہی پتہ چلے گا کیونکہ ان لوگوں سے ابھی کھل کر بات نہیں ہوئی۔

اچھا تو یہ آدھی باتیں مجھ سے نہ کرو۔ کوئی بات بتایا کرو تو پوری معلومات سے۔ وہ بولی۔

ہاں، آپا اب آپ کی شادی ہو جانی چاہیے۔ خدا کرے کوئی بات بن جا۔

اے نغمی تو تو اس گھر سے چلی گئی ہے۔ تجھے کیوں بری لگتی ہوں میں؟ اس نے رسالے پر سے نظریں اٹھا بغیر سوال کیا۔

توبہ آپا اس میں برا لگنے کی کیا بات ہے۔ ساری دنیا کی لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہے۔ سب مجھ سے پوچھتے ہیں۔ تم بڑی بہن کی شادی کیوں نہیں کرتے؟ کیا عیب ہے؟ کیوں بیٹھی ہے؟

تو کیا سب کھڑے ہو ہیں جو میرے بیٹھنے پر اعتراض ہے۔ وہ کھلکھلائی حسب عادت۔

نغمی چپ ہو کر رہ گئی۔

بس کہہ دیا کوئی ضرورت نہیں سوچ بچار کی صاف نہیں کہہ دیں۔

کیا کمی ہے مجھ میں؟ وہ تن کر کھڑی ہو گئی۔ رنگ تسے ملتا گلابی شلوار سوٹ گلے میں پڑا کالا دوپٹہ بجلی کی طرح کوندتا قد و قامت۔ ڈھیلی ڈھالی چوٹی۔ غصے سے پھڑکتی حسین و مغرور ناک۔

ہونہہ اتنی کم تنخواہ۔ اسے کیا اپنی اوقات کی لڑکیاں نہیں ملیں جو وہ لوگ اس دیدہ دلیری سے

میرے لیے چلے آ ہیں۔ اسے یہ تو کہہ دیتیں شکل دیکھی ہے۔

اے تو کیا کوہ قاف کے شہزادہ بیاہنے کا وعدہ کر گیا ہے؟ اماں اس کی بات سن چکی تھیں اتنے صفا چٹ انکار پر بری طرح کھول رہی تھیں۔

ویسے اماں کوہ قاف کے دیو۔ زیادہ مشہور ہیں اگر وہاں کے شہزادے کے بارے میں سنا ہے تو وہ یہ کہ پتھر کا ہوتا ہے۔ رخسانہ نے اسے شرارت سے دیکھ کر کہا۔

بھائی میاں چھوٹے بھائی اور ابا جی کوئی بھی اس رشتے پر راضی نہیں تھا کیونکہ وہ لوگ ذہنی طور پر پسماندہ نظر آتے تھے۔ مگر اماں اور دادی زمانے کی باتوں سے کچھ زیادہ ہی خوفزدہ نظر آتی تھیں اور کچھ رضا مندسی تھیں مگر ان کا واضح انکار اسے مجبور کر گیا۔

رشتے آتے وہے۔ وہ ہر مرتبہ جھنجھلا اٹھتی۔ یا اللہ یہ معمولی قسم کے ملازمین میرے لیے ہی رہ گئے ہیں۔

اگر میرے ملک میں ان سب کو حکومت کی طرف سے کارکوٹھیاں دی جاتیں تو ان میں سے کوئی بھی مجھے منظور ہوتا۔

تو گویا پیارا سا بنگلہ ہو۔ بنگلے میں گاڑی ہو۔ کاڑی میں میرے سنگ سیاں اناڑی ہو۔ نغمی ہنسی۔

ارے چھوڑو، نغمی دونوں ہی اناڑی ہو گئے۔ تو۔ خدا ہی حافظ ہوگا ان کے گھر کا۔ چھوٹے بھائی نے چھیڑا۔

ہم تو ایسے ہی رہیں گے۔ کم عقل، اناڑی، بدھو، بس۔

وہ صرف اسی مذاق پر چڑتی تھی جب اس کے ذہنی معیار و صلاحیت کو نشانہ بنایا جاتا۔ درحقیقت وہ تھی سادہ و سطحی، خود میں گم، مگن، بیپروا۔

ابا جی اتنی ساری لڑکیاں ہیں۔ میں کوئی اکیلی ہوں۔

کوئی ضرورت نہیں ہے جانے کی۔ خدا جانے کہاں ماری ماری پھریں گی۔ اماں نے قطعیت سے کہا۔ بھائی میاں نے اور چھوٹے بھائی نے اعتراض نہیں کیا۔

ابا جی رات نہیں ہوگی۔ ہم سورج چھپنے سے پہلے آجائیں گے۔ اس نے لجاجت سے کہا۔

جانے دیں ابا جی سب لڑکیاں جاتی ہیں۔ چھوٹے بھائی نے سفارش کی۔

اے ہاں۔ اور ڈبودو۔ دادی جان بڑبڑائیں۔

آخرکار اجازت مل گئی۔

اس نے میرون سادہ بڑا فٹ سا سوٹ پہنا۔ لپ اسٹک لگائی، کاجل ڈالا۔ بیحد خوشی سے اس نے اہتمام کیا۔ بی اے فائنل کی تمام اسٹوڈنٹ اس پکنک میں شامل تھیں۔

سارا دن انہوں نے سمندر کے کنارے ہنستے کھیلتے گزارا۔ تب اس نے جانے سے آدھ گھنٹے پیشتر ساحرہ کا ہاتھ تھاما اور ننگے پاؤں دور تک نکل گئی۔ کبھی کبھی وہ لہرا کر آنے والی لہر سے پیشتر پانی میں جا کر کھڑی ہوتی، لہریں اسے چھو کر واپس پلٹ جاتیں۔ تب وہ مسرت انگیز ہنس ہنستی۔ ساحرہ کو پانی سے بہت خوف آتا تھا۔ تب جھگ جھاگ پاگلوں کی طرح ٹکراتی لہر۔۔۔ اس کے پیروں سے چھو کر گئی تو اس نے ساحرہ کو پکارا۔

ساحرہ آؤ ناں۔۔۔ بڑا مزا۔۔۔ اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ وہ ساحرہ کی آنکھوں سے اوجھل تھی۔ ساحرہ کے حلق سے کئی خوفزدہ چیخیں ابل پڑیں۔ وہ پاگلوں کی طرح پانی کی سمت دوڑی۔ پانی سے ازحد خوفزدہ رہنے والی لڑکی سہیلی کی خاطر پاگلوں کے انداز میں پانی میں اترنے لگی۔ تب کسی نے اسے بازو سے پکڑ کر خشکی کی جانب دھکا دیا۔ اور ساحرہ کے کانوں میں کسی وزنی چیز کے پانی میں گرنے کی آواز آئی وہ بری طرح چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ دوسرے لوگ ان سے بہت دور تھے۔ وہ دونوں تو خود اساتذہ کی آنکھ بچا کر نسبتاً خاموش گوشے میں آئی تھیں۔

تب ساحرہ نے آنسوؤں کی دھند میں دیکھا۔ انتہائی خوبصورت جسم کا ایک شخص آشیانہ کو بازوؤں میں اٹھا باہر آیا۔ وہ سرتا پا شرابور تھا۔ وہ دیوانہ وار آشیانہ کی جانب لپکی جس کے چہرے پر موت کا سا سکوت تھا۔

شانو۔۔۔ شانو۔۔۔ اوہ میرے خدا۔۔۔ دوسرے لمحے وہ خود بھی بیہوش تھی۔

تب اس شخص نے انتہائی بیچارگی سے دو بیہوش خواتین کو دیکھا۔ پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ سامنے سے طالبات اساتذہ کے ہمراہ ان کی تلاش میں آرہی تھیں۔ انہیں اس طرح ریت پر پڑا دیکھ کر تمام اساتذہ اور لڑکیوں کے چہرے فق ہوگئے۔

تب اس اجنبی نے تمام تفصیل سے مطلع کیا۔ میڈم اس کی گاڑی میں آشیانہ اور ساحرہ کو لے کر قریبی کلینک میں چلی گئیں۔ باقی گروپ بھی بجھا بجھا سا واپس ہولیا۔

اس لیے منع کر رہی تھی۔ موت کے منہ سے واپس آئی ہے۔ جو بچے ہٹ دھرمی دکھاتے ہیں، یہی ہوتا ہے ان کے ساتھ۔ اماں اس کی حالت دیکھ کر تڑپ رہی تھیں مگر بظاہر پند و نصائح کے دفتر کھولے بیٹھی تھیں۔

خدا جانے کون فرشتہ خصلت آدمی تھا۔ خدا سلامت رکھے اسے بھی۔ دادی جان نے دعا دی۔

تیرنا آتا ہوگا کود گیا۔ اس میں فرشتہ خصلت ہونے کی کیا بات ہے؟ اس نے کراہ کر ابن احسان فراموش کی قبر پر لات ماری۔

تجھے تو اسکا احسان مند ہونا چاہیے۔ اس حالت میں بھی دماغ اسی طرح کلف لگا ہوا ہے۔ نہ کودتا وہ تجھے بچانے کو۔ اماں کچھ زیادہ ہی احسان مند ہو رہی تھیں۔

مر جاتی تو آپ لوگوں کا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔ اس نے کراہ کر کروٹ بدلی۔

اماں اس کی ہائے پر تڑپ کر رہ گئیں۔ اس لیے کچھ بولیں نہیں۔

دیکھو۔ بالکل جھٹک کر رہ گئی ہو۔ آج سے دودھ کے دو گلاس پینا۔ بھائی میاں نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

ساحرہ اور وہ تو عرصہ تک سوچ سوچ کر کانپتی رہیں۔

بڑا بہادر آدمی تھا۔

آدمی بھی بہادر نہ ہو تو گدھے بہادر ہوں گے۔ اس کو تیرنا آتا ہوگا لہذا جان بچانا اس کا فرض تھا۔

تو تو دو دن بعد ہوش میں آئی تھی۔ میں نے تو اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا تھا۔

ماشاءاللہ تیرا تو اٹھان بھی غضب کا ہے۔ کسی دبلے پتلے آدمی کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ تو پہلوانوں کو بھی مات دے گیا ہے۔ بیہوش آدمی کا وزن تو ویسے بھی بڑھ جاتا ہے۔ ساحرہ نے مزید مدح سرائی کی۔

مگر کچھ مغرور سا تھا۔ ہم نے اس کا اتنا شکریہ ادا کیا اور اس نے جاتے ہو صرف ایک بات وہ بھی ڈاکٹر سے۔

ہوش جلد آ جاگا نا؟ یوں ہی کہہ دیتا یہ میرا فرض تھا۔ کوئی بات نہیں بابا۔ کچھ نہیں بولا۔ ساحرہ نے از حد حیرانی سے بتایا۔

ویسے بھئی، غرور آہی جاتا ہے۔ شکل بھی خوبصورت، باکسروں کی طرح جسم، اتنی عالی شان گاڑی، کوئی لینڈ لارڈ ہی لگتا تھا۔

اچھا بابا، بس کرو۔ بہت ہو گئیں تعریفیں۔ اس نے منہ بنا کر ٹوکا۔ اماں گرمیاں آ گئی ہیں۔ میں ایک دو جوڑے لاؤں گی لان کے۔

کس کے ساتھ جاؤ گی؟

ساحرہ اور میں۔ تب اماں نے کچھ رقم اسے دے دی۔ جب سے یہ حادثہ ہوا تھا۔ اماں تو بہت ہی سہم گئی تھیں۔ انہیں یہ احساس ہوتا کہ وہ اسے ہر وقت بد دعا دیتی رہتی ہیں۔ اب اللہ ایک کو سب کچھ نہیں دے دیتا۔ سب لڑکیوں میں حسن اور قابل رشک صحت دے کر اسے ممتاز بنا دیا

تھا۔کچھ اس نے اپنی جمع پونجی نکالی اور دونوں بازار چلی گئیں۔کپڑا،لپ اسٹک کے شیڈز، رومال اور خوبصورت آویزے۔وہ بہت مگن رہی۔شام بھی کافی در آئی تھی۔

دونوں اسٹاپ پر آ گئیں۔ساحرہ کی مطلوبہ بس آ گئی۔وہ چلی گئی۔وہ دو قدم آ گے بڑھی تو اس کی چپل ٹوٹ گئی۔اوہ میرے خدا یہاں تو کوئی موچی بھی نظر نہیں آ رہا۔عام سی سادہ سی چپل تھی جو وہ گھر میں بھی استعمال کرتی رہی تھی اور پھر شرمندگی بھی بہت ہو رہی تھی۔وہ بےبسی سے آتے جاتے ٹریفک پر نظر ڈ آ لنے لگی۔اکیلے رکشا میں جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

تب اس نے ایک سفید نئے ماڈل کی گاڑی کو دیکھا جسے ایک بہت پروقار خاتون ڈرائیو کر رہی تھیں۔اس نے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا۔

سنئیں،میری چپل ٹوٹ گئی ہے۔چلتے ہو بڑی شرمندگی ہو رہی ہے۔آپ کی بہت نوازش ہو گی اگر آپ۔

آؤ انہوں نے دروازہ کھول دیا۔وہ پیکٹوں سمیت جلدی سی اندر بیٹھ گئی اور گھر کا پتہ بتا دیا۔

آپ کو گاڑی چلاتے ہو ڈر نہیں لگتا؟اس نے سادگی سے پوچھا۔

نہیں بھئی،تم سے بھی چھوٹی تھی تب سے چلا رہی ہوں۔اب کیسا ڈر؟وہ مسکرائیں۔

اچھا جب گاڑی سیدھی سیدھی جا رہی ہوتی ہے تو اسٹیئرنگ کو دائیں بائیں حرکت کیوں دیتے رہتے ہیں؟

اس لیے کہ گاڑی بیلنس رہے۔انہوں نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈال کر کہا۔

اچھا اس نے بڑے مگن سے انداز میں کہا۔سفید کالج کے یونیفارم میں سفید انتہائی شفاف دوپٹے میں اس کا گلابی چہرہ بیحد سادہ تھا جس پر بھولپن کی چھاپ بھی گہری تھی۔وہ بہت سنجیدہ سی تھی۔تب اس چاتون نے پوچھا۔

تم اسی طرح سنجیدہ رہتی ہو یا ہنستی بھی ہو؟

بہت ہنستی ہوں میں تو۔گھر میں بہت ڈانٹ پڑتی ہے۔وہ کھوئی کھوئی سی ہنس پڑی۔وہ انہیں دروازے تک لے آئی تھی۔

آپ کا بیحد شکریہ۔مجھے افسوس ہے کہ آپ کا قیمتی وقت ضائع کیا۔وہ انتہائی سلیقے سے کہہ رہی تھی۔اگر آپ مناسب سمجھیں تو اندر آ جائیں،میں آپ کو اپنے گھر کی دو جلالی خواتین سے ملواؤں۔وہ شگفتگی سے ہنسی تو وہ خاتون۔۔۔بےساختہ گاڑی سے باہر آ گئیں۔

چاول پھٹکتی اماں حیران ہو گئیں۔جب اس کے ہمراہ ایک انتہائی معزز خاتون کو آتے دیکھا۔

اماں یہ میری ان محسن سے بڑی محسن ہیں جنھوں نے مجھے سمندر سے نکالا تھا۔دیکھیں نا،اگر وہ نہ بچاتے تو میں مر جاتی۔کہانی ہی ختم ہو جاتی۔مگر ایک پاؤں میں چپل نہ ہونے سے۔۔۔سارے راستے شرمندگی کی موت سے کئی بار مرتی۔یعنی تمام راستے مرگ و جنم کا سلسلہ چلتا رہتا۔

ایک دم باؤلی ہے۔یہ کوئی کسی سے ملوانے کا طریقہ ہے۔آئیں آپ یہاں بیٹھیں۔اس نے چھوٹے بھائی کی رائٹنگ ٹیبل کی چیئر انہیں پیش کی۔اماں کی ڈ آنٹ ادھوری رہ گئی۔

دادی جان بھی آ گئیں۔ پوری صورتحال سے واقف ہوکر اماں بیزاری سے بولیں۔

آندھی، طوفان کی طرح ہے اس کا چلنا پھرنا، انسان گھر سے دیکھ کر جا اپنی چیزیں۔

یہ تو بہن ہے ہی بے عقل۔ اماں نے بیچارگی سے بتایا۔

وہ خاتون جو بڑی دلچسپی سے مسکرا رہی تھیں ہنس پڑیں۔ ارے نہیں، بڑی پیاری بیٹی ہے آپ کی۔ اور بھی بچیاں ہیں؟

ایک اس سے بڑی ہے اور ایک اس سے چھوٹی۔۔۔ دونوں ہی بیاہی ہوئی ہیں۔ اپنے اپنے گھر خوش ہیں۔ دو لڑکے ہیں۔ دونوں لڑکیوں سے بڑے ہیں۔ ایک کو تو پڑھنے کا ہی بہت شوق ہے۔ ڈبل ایم اے کر رہا ہے، کہتا ہے اپنا اخبار نکالوں گا۔ بڑا ابھی نیا نیا ملازم ہوا ہے۔ اماں نے تفصیلی تعارف کرایا۔

اس کی شادی کیوں نہیں کی پہلے؟ چھوٹی کی شادی۔

اصل میں اسے میرے بھائی نے بچپن میں مانگ لیا تھا۔ ان کی چیوتھی، اب لیتے کہ تب لیتے۔

ان خاتون کو یہ کھلا ڈھلا بیر یا ماحول بیحد بھایا۔ جب وہ جانے لگیں تو وہ بیانتہا محبت سے ملیں۔

اماں نے انہیں دوبارہ آنے کا کہا اور شکریہ ادا کیا۔

اور بیٹی ہنستی رہا کرو۔ اچھی لگتی ہو۔ انہوں نے اس کا رخسار تھپتھپایا۔

بھی عورت۔ کتنی امیر زادی ہے مگر ذرا غرور نہیں، ذرا نشہ نہیں دولت کا۔ دادی جان نے تعریف کی۔ اپنے بچوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ خیر، کوئی بات نہیں۔

اماں نے چاول میں دوبارہ ہاتھ مارنے شروع کیے۔ تھی کوئی بھلی مانس۔

وہ تو حسب عادت بھول بھال گئی۔

آخری پیپر دے کر وہ گھر پہنچی تو پتہ چلا وہی گاڑی والی خاتون آئی تھیں۔

کیوں آئی تھیں؟ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

کیوں پابندی ہے کیا؟ محبت کی عورت ہے گزری ہوگی ادھر سے چلی آئی۔ اماں نے سوال و وضاحت ساتھ ساتھ کی۔

اچھا انہیں یاد رہ گیا مجھے تو ذرا یاد نہیں۔ اس نے لاپرواہی سے دوپٹہ سنبھال کر کہا۔

کیوں تم کیا خاص پیمانہ ہو کہ ہر شخص کی پیمائش تمہارے حساب سے ہوگی۔ چھوٹے بھائی نے اسے چھیڑا۔

تم تو دودھ کی دعا کیا کرو۔ بہت مشہور ہو رہا ہے آج کل کہ لوگ پانی میں دودھ ملا کر بیچ رہے ہیں۔ وہ ہنسے۔

دیکھ رہی ہیں اماں میرے ایک گلاس دودھ کا اس گھر پر کتنا بوجھ ہے۔

اور کیا؟ چل تجھے بھی پتہ چل گیا کہ بیٹی ایک بوجھ ہوتی ہے۔ دادی جان نے صرف بوجھ سن کر ہی گفتگو کا رخ حسب منشاء کر لیا۔

اس کا تو کچھ زیادہ ہی بوجھ ہو رہا ہے۔ شکر کرتے ہیں ڈولیوں کے زمانے گئے۔ بیچارے کہار تو زمین بوس ہو جاتے جان بنانے سے زیادہ گھر کی فکر کرو۔

اماں بہت ہیں فکر کرنے کو۔ وہ ہنسی، گویا اماں کو چھیڑا۔

اے دلہن۔ کچھ کرو بھاگ دوڑ، کون پوچھے گا عمر نکل گئی اگر؟ دادی جان نے دیرینہ خدشہ ظاہر کیا۔

ارے اماں۔ اب تو خدا پر چھوڑ بیٹھی ہوں۔ اماں نے ساس کو نہایت افسردگی سے جواب دیا۔

بات تو ساری نصیبوں کی ہے۔ ایک سے ایک کم شکل مہارانیاں ہیں۔ اس موئی میں تو اللہ نے کوئی ظاہری نقص بھی نہیں رکھا۔ دونوں سے اچھی ہے۔ خدا اچھا ہی کرے گا۔

سلیقہ ہوتا تو کب کی کوئی لے جاتا۔ تم نے سختی بھی نہیں کی۔ ساس نے بہو کو جتایا۔

ہاں، بس اماں پھانسی دینے کی کسر چھوڑی دی ہے۔ انہوں نے ساس کی بات سے اکتا کر حواب دیا اور باہر پودوں کو پانی ڈالتی شانو کو آواز دینے لگیں۔

آج فراغت سے اکتا کر وہ چھتیں صاف کرنے پر کمر باندھ بیٹھی تھی۔ پرانا ساجوڑا پہن کر سر پر پرانا مفلر لپیٹ کر بڑے انہاک سے کام میں مشغول تھی۔ پورے گھر میں اسٹول گردش کر رہا تھا۔ لپک ادھر، جھپک ادھر۔ دادی جان نہال ہو رہی تھیں۔ کئی بار سروے کر چکی تھیں اور سروے رپورٹ باورچی خانے میں بیٹھی اس کی بیخبر ماں کو پیش کر چکی تھیں۔

کیا آج کوئی خاص مہمان آ رہے ہیں؟ چھوٹے بھائی نے حسب عادت مذاق کیا۔

کیوں کیا گھر صرف مہمانوں کے لیے صاف کیے جاتے ہیں؟ اس نے چھت پر ڈنڈے کو گردش دیتے ہوا الٹا جواب دیا۔

میں نے خاص کہا ہے۔

ایسی کوئی نیک اطلاع نہیں۔ وہ شرارت سے ہنس پڑی۔

اے۔ عثمان۔۔۔ دیکھ تو سہی بچی نے سارا گھر ہی تو چمکا دیا۔ دادی جان خوشی سے پوتے سے مخاطب ہوئیں۔

لگتا ہے دادی جان۔ عقل داڑھ پوری نکل چکی ہے۔ وہ شرارت سے بولے۔

چھوٹے بھائی دیکھیں ہر وقت مذاق نہیں۔ اب اسے تاؤ آ گیا۔

اے چھوڑ۔ ویسے ہی تھک رہی ہے۔ دادی جان کا مارے لاڈ کے بس نہیں چل رہا تھا۔ اسے گود میں لے کر پھرتیں۔

آج اسے دودھ کے دو گلاس پلایئے گا۔ بھائی بھی اسے اس طرح مصروف دیکھ کر خوش تھے مگر بظاہر چھیڑ رہے تھے۔ چھوٹے بھائی آپ جائیں یہاں سے۔ وہ جھلّا کر چیخی۔

وہ برآمدے کے ستونوں پر کپڑا مار رہی تھی کہ گھنٹی بجی۔ وہ اپنے ڈنڈے سمیت دروازے کی سمت لپکی۔

اوہ اس نے حیرانی سے آنکھیں پھیلائی۔

آپ؟ السلام علیکم۔

ہاں بیٹی، وعلیکم السلام۔ انہوں نے شفقت سے جواب دے کر اس کے دلچسپ حلیے پر نظریں دوڑائیں۔ وہ خفت آمیز انداز میں مسکرا دی اور انہیں لیے ہوا اندر چلی آئی۔

دیکھیں اماں کون آیا ہے؟ اماں باہر آئیں اور بڑی گرم جوشی سے ملیں۔

کیسے تکلیف کی؟ آئی اندر آ جائی۔ وہ پرتپاک انداز میں بولیں۔

اب تو یہ آپ پر منحصر ہے کتنی تکلیف مزید دیں گی۔ وہ مسکرائیں۔

اور پھر انہوں نے وہ بات کہی کہ کسی کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ رہا۔ دادی جان نے گلاس بھر پانی فوراً پیا۔

میرا سسرالی سلسلہ بیحد مختصر ہے۔ میکہ بھی چھوٹا ہے جو تقریباً پندرہ سال سے امریکہ میں مقیم ہے۔ میں چھ ماہ پیشتر اپنے بڑے بیٹے کے پاس آئی تھی۔ سوچتی ہوں اس کا گھر بسا دوں۔ وہ دو سال پہلے پاکستان آ چکا ہے۔ ہیرا تو نہیں کہوں گی۔ عام انسان ہے۔ ان کی آواز دھیمی ہوگئی۔ میں خود ہی اپنے میکے اور سسرال کی بڑی ہوں۔ جب جواب لینے آؤں گی تو بہن اور بہنوئی کو بھی لاؤں گی۔ آپ اپنے شوہر سے مشورہ کیجیے۔ سوچ سمجھ کر جواب دیں میں جانتی ہوں میرے بیٹے کے لئے کیسی لڑکی موزوں رہے گی۔ اور آج بلا تکلف میں آپ کے دولت کدے پر حاضر ہوئی۔ اس انکسار پر دونوں ساس بہوس وجان سے مرمٹیں۔

آپ یہاں نہیں رہیں گی؟ اماں نے جانے کیوں سوال کر دیا۔

میرے دو بچے وہاں زیر تعلیم ہیں۔ ایک بیٹا وہاں پر کاروبار کرتا ہے، بچوں کی وجہ سے فی الحال وہیں ہوں۔ شوہر کا دو برس پہلے انتقال ہوگیا۔ انہوں نے افسردگی سے بتایا۔

اپنے خاندان سے متعلق انہوں نے مستند معلومات بہم پہنچائیں۔ جاتے ہو مزید کہا کہ آپ اپنا

اطمینان خوب کر لیجیے۔

اور اس رات وہ پہلی مرتبہ گم صم رہی۔ خدا جانے کون ہے؟ کیسا ہے؟ بالکل اجنبی لوگ۔ اس کا دل لرز رہا تھا۔ سب تو خوش ہوں گے۔ ہاں میں جواب دیں گے سب سے بڑا بوجھ جو ہوں میں۔

تمام کوائف اکٹھے کر کے غور و خوض کیا گیا۔ ابا معہ بیٹوں اور بھائیوں کے دیکھ آتے۔ چھوٹے بھائی نے اسے بتایا۔ تیس اکتیس کا لگتا ہے۔ بیحد سنجیدہ اور کم گو مگر بہت شاندار شخصیت کا مالک۔ مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ پیغام اس کے لئے ہے۔ انہوں نے کنکھیوں سے مسکرا کر اسے دیکھا۔ اس کا اپنا کاروں کا کاروبار تھا۔ وہ لوگ اس کے شوروم میں مل کر آ ءتھے۔

ابا جی نے دبے الفاظ میں اماں کو سمجھایا۔ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ بالکل جوڑ نہیں ان کا ہمارا۔ لوگوں کی بیٹیاں تو بادشاہوں کے ہاں بیاہ دی جاتی ہین۔ یہ تو قسمت کے کھیل ہیں۔ اللہ جسے چاہے نواز دے۔ ترازو سے تل کر آسمان سے نوٹ تو نہیں آتے اس کے پاس۔ محنت کرتا ہے کماتا ہے۔ یہ اماں کی دلیل تھی۔ پیسہ زیادہ نہیں تھا تو کیا ہوا پشتیں تو معزز تھیں۔ بڑی خود اعتماد تھیں وہ۔ اسے کہتے ہیں نیت صاف منزل آسان۔ اگلے دن رخسانہ آئیں تو کہنے لگیں۔

اب تو چاہے روز گاڑی بدل لینا۔ وہ مسکرائیں۔

ارے نہیں، ایسا نہ کر دینا، دیکھنے والے کار ڈیلر کے بجا موٹر مکینک کی بیوی سمجھنے لگیں گ۔ بھائی میاں نے برجستہ کہا تو سب بیتحاشا ہنسنے لگے۔ پل کی پل میں خوشیاں اتر آئی تھیں۔ کچھ زیادہ

ہنگامہ نہیں ہوا جب وہ نکاح سے پہلے خاموش بیٹھی تھی۔ بارات آ چکی تھی۔تب اس ک ساس ایک خوبصورت سی لڑکی اور نکھرے نکھرے نوجوان کے ساتھ اس کے پاس چلی آئیں۔

یہ ہیں بیٹا تمہاری بھابھی۔۔۔آشیانہ۔

زرد سوٹ میں نہائی دھوئی کورے کاغذ کی طرح اجلی اور صاف بھابھی جو اپنی سادگی سمیت دونوں کو بیحد کیوٹ لگی تھی۔

بھیا نے دیکھا ہے ماما؟ لڑکی نے پوچھا۔ہوں۔تصویر دکھائی تھی۔انہوں نے جواب دیا۔

یہ تمہاری نند ہے بیٹا فرحت افزا اور یہ دیور۔۔۔میرا نمبر تین بیٹا عظیم۔تمہارا دوسرا دیور جوان دونوں سے بڑا ہے عظم، وہ نہیں آ سکا۔اس نے تمہارے لیے بڑے پیارے پیارے تحفے بھجوا ہیں۔وہ سر جھکا ان کی باتیں سنتی رہی۔

بچے قطعی یورپین طرز کے نہیں تھے۔مشرقی تہذیب کی چھاپ ان پر نمایاں تھی۔جو شادی ان کی ماں کا کامل تھا۔اس کی سہیلیاں آ گئی تھیں۔ساحرہ اس کی عزیز سہیلی کا بھی آج کے دن نکاح تھا۔اس کا شوہر باہر جا رہا تھا۔ایمرجنسی تقریب تھی اس کے ہاں بھی۔اسے بہت افسوس ہوا تھا اس کے نہ آ سکنے کا۔

جب دلہن بنی آشیانہ کو فرحت افزا نے دیکھا تو مبہوت ہو کر رہ گئی۔سرخ لباس میں سرخ نگینے جڑا سیٹ۔صرف سرخ گلاب کے ہار اور گہنے۔روپ بھی کسی کسی کو پوچھتا ہے اور فرحت افزا نے کھڑے کھڑے اس کے پوز کیمرے میں محفوظ کر لیے۔

وہ آج بیتحاشا روئی تھی۔ایسے رونے کا کبھی تصور نہیں تھک۔خود بخود دل بھر آ رہا تھا اور آنکھیں برس رہی تھیں۔تڑپ تڑپ کر، پھوٹ پھوٹ کر رونے کو دل چاہ رہا تھا۔

اور پھر اسے سہارا دے کر سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس سرخ گلابوں میں چھپے ڈیسنٹ سے انسان کے پہلو میں بٹھا دیا گیا۔اس کے اپنے وجود سے اٹھتی خوشبوؤں پر اس شخص کی مہک حاوی ہو گئی۔دائیں طرف معظم (اس کا شوہر) اور بائیں جانب اس کی ساس اور فرحت تھیں۔اس کا پہلو محسوس کر کے اس نے سمٹنا چاہا مگر یہ ممکن نہ تھا۔اس پہلو، اس شانے کی اس کے ماں باپ اور دل نے بڑی بھاری قیمت ادا کی تھی۔

سسرال میں عجب تماشا تھا۔گھنٹوں اس کا گھیراؤ رہا۔کوئی مووی بنا رہا تھا۔کوئی جامد تصویر۔ایک چکا چوند تھی۔اس کے ہمراہ رخسانہ باجی تھین۔وہ بھی بوکھلا کر رہ گئیں۔جب دو بجے رات اس کے رشتے کی جٹھانی اسے کمرے میں لائیں تو بڑا الٹا حساب تھا۔

معظم بیڈ پر نیم دراز کسی کتاب میں مصروف تھے۔

ارے بھئی، آپ پہلے سے موجود ہیں یہاں؟ بھابی ہنسیں۔

بہت شور تھا باہر، کچھ تھک بھی گیا ہوں۔

من جھنجھوڑتی بھاری سی آواز تھی۔اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

معظم نے اسے دیکھا۔تصویر سے کہیں زیادہ حسین تھی۔بھابی کی موجودگی کا احساس تھا۔اس لیے فوری نظروں کا رخ بدل دیا۔

وہ اسے بیڈ پر ٹکا کر واپس پلٹ گئیں۔

اس کی عجیب کیفیت تھی۔ حرکت کرتے ہوا یک شرمگیں سا احساس دامن گیر تھا۔

ایزی ڈارلنگ۔ وہ پردے برابر کرتے ہو بولے۔

وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔

تب گھونگھٹ الٹ دیا گیا اور معظم ٹھٹک گئے۔ ایک بھیگا وجود۔۔۔ ان کے بازوؤں میں جھولنے لگا۔ وہی۔۔۔ بالکل وہی۔ وہ پہچان چکے تھے۔ اس قدر مناسب لڑکیاں بہت کم ہوتی ہیں جو حسین بھی ہوں اور ان کا سراپا بھی ان کی خوبصورتی کا ہمسر ہو۔

انہوں نے اسے ٹھیک سے بیٹھنے کو کہا۔ مگر وہ اسی طرح ساکت رہی۔ انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ تو اس نے اپنے وجد کا ہر حصہ چرا لیا۔

انہوں نے اس سے زیادہ باتیں نہیں کیں۔ پھر بھی جو کچھ کہا اسے اچھا لگا۔

اور پھر جب وہ دنیا کا مکروہ ترین مشروب پی کر آ گئے تو اس کا دم الٹنے لگا۔

اور انہی گھٹتی ہوئی سانسوں کے دوران اس پر حیرت ناک انکشاف ہوا کہ یہ وہی محسن ہے جو سمندر کی لہروں سے لڑ کر اسے جیت لایا تھا۔

پھر انہوں نے بہت کچھ کہا۔ مگر وہ دم سادھے رہی ایک ٹک ساکت۔

اور جب وہ بےخبر سو گئے تو وہ آہستگی سے اٹھی۔ اپنا دوپٹہ تہہ کیا۔ اس کا ذہن گہری سوچوں میں گم تھا پھر اس نے سنگھار میز کے مقابل کھڑے ہو کر اپنا ایک ایک زیور اتارا۔ اس کے ناک اور کان سخت دکھ رہے تھے۔ گلے پر نیکلس، مالا اور ہار کے نشان پڑ گئے تھے۔ اس نے اپنے بکھرے بالوں کو سمیٹا۔ اپنا چہرہ آئینے میں دیکھا۔ عجب دیومالائی جشن تھا۔ اس نے آنکھوں میں جھانکا تھکی تھکی سی آنکھیں، خوابیدہ آنکھیں۔ آرزو شکستہ آنکھیں۔ تب وہ ہتھیلی میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ کیوں؟ وہ خود بھی نہ جان سکی۔

جب صبح اس کی آنکھ کھلی تو رات کی تھکی ماندہ خواتین ہشاش بشاش تھیں۔ کوئی پردے سرکا رہی تھی کوئی اس کا زیور ڈبوں میں لگا رہی تھی۔ ارے بھئی۔ دلہن بیگم اتنی لاپرواہی اچھی نہیں ہوتی۔ بیحد قیمتی زیورات ہیں۔ یہ دیکھو اس لاکر میں رکھ رہی ہوں۔ اٹھا کر اپنی مرضی سے کہیں رکھ دینا۔

اگر اور نیند آ رہی ہو تو ہم چلے جاتے ہیں۔ انہوں نے اسے بےخبر انداز میں بیٹھا دیکھ کر کہا۔

خوبصورت جوڑا کھل جانے پر اس کے ریشمی بال پاگلوں کی طرح ادھر ادھر دوڑ پڑے تھے۔ مٹے مٹے میک اپ کے نشان

ارے بھئی۔ تم نے لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا۔ باتھ روم میں تمہارا لباس موجود تھا۔ بھابی نے کہا۔

اب پہن لوں گی۔ اس نے لب کشائی کی۔

ایک زوردار قہقہہ پڑا۔

بھئی وہ شب خوابی کا لباس ہے۔ ولیمے کا شاہانہ جوڑا نہیں۔ واقعی بہت نیند آ رہی ہے۔ مگر یہ

روزانہ کی مجبوری ہے۔اب نیندیں تمہاری نہیں رانی ساجن کی ہیں۔چلو اٹھو۔غسل سے فارغ ہو جاؤ۔تیار ہو جاؤ اچھی طرح۔ناشتے پر تمہارا انتظار ہے۔

بیحد خوبصورت پیازی کلر سوٹ منتخب کر کے وہ اسے دے گئیں۔

ان کے جانے کے بعد کمرے میں سکوت سا چھا گیا۔

وہ نہا دھو کر بالوں کو برش کر رہی تھی، ہلکے سے میک اپ کا نشان بھی نہ تھا۔تب ہی اس کی ساس آ گئیں۔اس نے آداب کرنے سے پہلے انہیں بغور دیکھا۔وہ سٹپٹا سی گئیں۔تب اس نے بغیر کسی جذبے کے انہیں آداب کہا۔

خوش رہو۔چلو دلہن تمہارا انتظار ہو رہا ہے ناشتہ پر۔اسی وقت فرحت افزا بھی داخل ہوئی۔

ماما لے بھی آئیں بھابی جان کو۔اوہ، پیاری بھابی لوگ میک اپ کر کے حسین لگتے ہیں۔اور آپ بغیر میک اپ کے۔اس نے پرستائش نظروں سے اسے دیکھا۔

ڈرائینگ روم کی وسیع وعریض ٹیبل پر کافی لوگ تھے۔سب ہی ان لوگوں کے قریبی رشتہ دار تھے۔معظم نے اسے دیکھا اور مسکرا۔

اس نے اپنی مسکراہٹ ہونٹوں میں جذب کر لی۔

ولیمہ شام کا تھا۔دوپہر گیارہ بجے وہ گھر چلی آئی۔فرحت اس کے ہمراہ تھی۔باقی لوگ واپس چلے گئے۔اسے چھوڑ کر تب ہی ساحرہ آ گئی۔کیوٹ سی فرحت افزا اسے بیحد پسند آئی۔فرحت افزا کی موجودگی کے سبب وہ سکھی سے بیتکلفانہ گفتگو تو نہ کر سکی، پھر بھی کوڈ ورڈز میں باتیں کر رہی

گئی۔اس نے جان بوجھ کر رات کا انکشاف نہیں دہرایا کہ دیکھتے ہیں ساحرہ، معظم کو پہچانتی ہے یا نہیں۔

رخسانہ باجی اور نغمانہ بھی وہیں آ گئیں۔

آپا شانو کوئی زیور تو پہن لینا تھا۔نغمی نے ٹوکا۔

زیور ہی زیور ہیں بھابی کے پاس۔ویسے یہ بغیر زیور کے زیادہ پیاری لگتی ہے۔فرحت نے پیار سے کہا۔

پتہ ہے بھابی ساجد بھائی کی دلہن رات کیا کہہ رہی تھیں؟ سب نے سوالیہ انداز میں فرحت کو دیکھا۔

کیا کہہ رہی تھیں بھیا سے کہ دلہن ک نام آشیانہ ہے۔تم اپنا نام آباد رکھ لو۔مسز آشیانہ آباد خود سوٹ کرے گا۔فرحت کی بات پر سب بے ساختہ ہنس دیے۔

رخسانہ نغمانہ کو اس کی قسمت پر رشک آ رہا تھا۔کتنا دولت مند گھرانہ تھا مگر غرور کسی میں نہ تھا اور پھر جب ساحرہ نے معظم کو دیکھا۔تو بے ساختہ اچھل پڑی۔

اے شانو جو سامنے براؤن سوٹ میں ہے وہی معظم ہیں نا۔۔۔یہ تو وہی ہیں جنہوں نے تمہیں پانی سے نکالا تھا۔دلہن بنی آشیانہ نے دھیرے سے نظریں اٹھا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

بھئی، اس وقت تو بڑے مغرور لگے تھے۔فوراً ہی کلینک سے چلے گئے تھے۔ویسے کیسے ہیں؟

ٹھیک ہیں۔اس نے آہستگی سے کہا۔

ہونہہ صرف ٹھیک ہیں۔ارے شاندار۔ تجھے پتہ ہے یہ وہی حضرت ہیں جو۔۔۔

مجھے پتہ ہے۔انہوں نے بتا دیا تھا کل۔اس نے بات کاٹی۔

تو مجھے کیوں نہیں بتایا؟ وہ خفگی سے بولی۔

کیا بہت ضروری تھا؟

وہ مسکرائی۔

یہ بتاؤ۔کیسی عادت ہے؟ پسند تو آ نا تمہیں؟

ابھی سے عادتوں کا کیا پتہ؟ اس کی آواز دھیمی اور سنجیدہ ہوگئی۔

ویسے کنٹرول رکھنا۔ بڑے آفت ہیں۔

میں جانتی ہوں کس قدر کنٹرول لائق ہیں۔اس نے افسردگی سے سوچا۔

اور۔۔۔آج پھر جب وہ شغل کر رہے تھے۔تو وہ ان کے پاس چلی آئی۔۔۔کراہت ہونے کے باوجود۔

سنیں۔کیا بہت ضروری چیز ہے یہ؟

دیکھو آج سے ایک عہد کرو۔تم میرے کسی معاملے میں نہیں بولوگی۔ ماما مجھے کہہ رہی تھیں تمہارے سامنے اس قسم کے مظاہرے نہ کروں۔مگر بھئی، بیوی سے ڈرنے اور چھپانے کا میں قائل نہیں۔انہوں نے گلاس ہلا کر برف گھلانے کا عمل کیا۔

اس سے بہت بری بو آتی ہے۔اس نے ناک سکوڑ کر کہا۔صحت الگ خراب ہوتی ہے۔

اب میں تمہاری خاطر اس میں پرفیوم چھڑکنے سے تو رہا۔عجیب روکھائی سے جواب ملا۔

مجھے اپنی لک پر ناز ہے۔تمہیں ایک بات بتاؤں۔ میں شطرنج میں کبھی نہیں ہارا۔ ریس سے جب بھی واپس ہوتا ہوں، میرے بینک بیلنس میں لاکھوں روپے کا اضافہ ہوتا ہے۔شرط کبھی نہیں ہاری۔کسی بھی حسین عورت کے لیے مجھے کبھی کوئی جتن نہیں کرنا پڑے۔

نشہ آہستہ آہستہ تیز ہر رہا تھا۔اسے گھبراہٹ محسوس ہونے لگی۔

ماما کے خیال میں، میں غلط چل رہا ہوں۔وہ میرے لیے مڈل کلاس ایسٹرن گرل چاہتی تھیں۔ میں نہیں مانتا تھا، میں جانتا ہوں ان لڑکیوں کو۔شیشہ سمجھتی ہیں خود کو،ان کی مٹی میں صرف گناہ ثواب ہوتے ہیں۔مذہب اچھی چیز ہے۔اور میں تمہیں کسی چیز کے لیے مجبور نہیں کروں گا۔

اور وہ ایک سکتے کے عالم میں کھڑی تھی۔

معظم نے اپنا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا۔تم میری قسمت میں تھیں شاید تبھی جیل جانے کا بہانہ ہوا۔دوسال شکاگو کی جیل میں رہا ہوں۔ ماما نے زبردستی مجھے پاکستان بھیجا۔بہت خوفزدہ ہیں مجھ سے۔تم نہ ڈرنا۔جو ڈرتا ہے وہ مرتا ہے۔پتہ ہے نا تمہیں؟

وہ بمشکل انہیں بیڈ تک لائی۔ تکیے پر سر رکھ کر وہ بری طرح رو دی۔ ماں کون سی گھڑی ہنسنے پر بددعا دی تھی؟ وہ کون سی گھڑی تھی جب تو نے ہنسنے پر کوسا تھا؟

فرحت اور ماما تو فوراً ہی امریکہ چلی گئیں۔ وہ اتنے بڑے ڈھنڈار سے گھر میں بولائی سی پھرا کرتی۔اماں کی طرف کم ہی جاتی تھی۔جس دن جانا ہوتا صبح ہی معظم سے کہہ دیتی۔

آج اماں کی طرف جاؤں گی۔شام کو لیتے آیئے گا۔

یہ سوچ کر وہ اور بھی کم میکے جاتی تھی کہ معظم کو اس کا جلد جانا ناگوار نہ گزرے۔وہ لحاظ کی سرحد درمیان میں رکھ کر اپنے خوف کو کچھ کم کرنا چاہتی تھی۔

کبھی کبھار رخسانہ باجی کے ہاں اور نغمانہ کے ہاں چلی جاتی۔جب بھی وہاں جاتی ڈھیروں پھر مٹھائی لے جاتی۔وہ دونوں اسے بہت ٹوکتی تھیں کہ اتنا خرچ مت کیا کرو۔میاں کے علم میں لا کر ہم کام کیا کرو۔

دولت نے آشیانہ میں کوئی چھچھوراپن پیدا نہیں کیا تھا۔اپنی پسند کے سادہ سادہ کپڑے پہنتی یا پھر ہاتھوں میں سونے کی چوڑیاں۔نہ آ دن شاپنگ سینٹر جاتی نہ سب میں بیٹھ کر اپنی امارت کے قصے چھیڑتی۔اماں کے ہاں جاتی تو فوراً گھر کے کاموں میں لگ جاتی کہ انہیں میری امارت کا احساس نہ ہو۔کوئی احساس کمتری پیدا نہ ہو۔اس کے اپنے گھر میں ڈش واشر میں برتن دھلتے تھے۔اماں کے ہاں آ کر راکھ سے پتیلیاں رگڑتی،ابا جی کے پرانے کپڑے رفو کرتی۔

اس کا کتنا جی چاہتا ابا جی کے لیے قیمتی شیروانیاں سلوا،قیمتی لان کے کرتے بنوا۔انہیں قیمتی آرام دہ چپل لا کر دے۔اپنی درجنوں سونے کی چوڑیوں میں سے چار ماں کے ہاتھ میں ڈال دے مگر وہ جانتی تھی اس کے گھر کا کوئی فرد اس سے چند سکے لینا بھی گوارا نہیں کرے گا اور وہ ان کی خودداری کو تازیانہ نہیں مارنا چاہتی تھی۔البتہ اتنا ضرور کہہ دیا:

اماں اب تو بھائی میاں اچھی پوسٹ پر ہیں۔گھر کے کاموں کے لیے ملازمہ رکھ لیں۔تھک

جاتی ہوں گی۔

ساری عمر کام کیا ہے۔کیسا تھکنا؟ بہوئیں آ جائیں تو وہ کیا کریں گی اب تو،چاہے خود کریں یا نوکرانیاں رکھیں۔اماں نے اسے محبت سے دیکھ کر جواب دیا۔

دیکھا اماں میں نہ کہتی تھی شادی کے بدع سب عقلیں آ جاتی ہین۔دیکھو کتنا احساس کرتی ہے۔

مگر چپ چپ رہتی ہے۔وہ شانو تو لگتی ہی نہیں۔اماں نے ساس سے کہا۔

اے ہاں دلہن اب ذمہ دار ہو گئی ہے نا۔۔۔خدا نصیب اچھا رکھے۔انہوں ے بھی محبت بھرے لہجے میں کہا۔

کیا بات ہے شانو بہت جھٹک کر رہ گئی ہو دودھ نہیں ملتا؟ چھوٹے بھائی نے مذاق کیا۔

دودھ تر بہت ہے ہر جگہ۔بس دل ہی نہیں چاہتا۔اس نے بجا چڑنے کے بڑے گم صم انداز میں جواب دیا۔

سنیں۔۔۔آپ کیوں پیتے ہیں؟ آج اس نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا۔

ہونہہ۔۔۔کل کو کہو گی ریس کیوں کھیلتے ہیں؟ اتنی حسین گرل فرینڈز کیوں بناتے ہیں؟ اپنی اوقات میں رہو۔آشیانہ بیگم میں نے شادی اس لیے نہیں کیا کہ میں تم پر عاشق ہو گیا تھا۔اس لیے نہیں کیا کہ میں مشرق پرست ہوں۔صرف اور صرف اس لیے کہ میری عمر بھی ایسی تھی۔میں اسٹینڈرڈ سوسائٹی میں بغیر مسز کا تھا۔اس پر میری ماں کا اصرار۔اچھا ہے گھر میں بیوی بھی ہو کیونکہ گرل فرینڈ اور بیوی میں بہرحال فرق ہوتا ہے۔وہ اس قابل نہیں ہوتیں کہ انہیں مستقل

گھر میں جگہ دی جا اور تم مجھے ٹوکنے کی غلطی نہ کرنا۔ یہ کام تو میری ماں نہ کر سکی۔شاید تم جانتی ہو میرے والد نے مجھے عاق کر دیا تھا۔

یہ نیا دھماکہ تھا۔

اور انہوں نے میری شکل تک دیکھنے کی قسم کھائی تھی۔مگر ان کے انتقال کے بعد ماما نے مجھے اپنے پاس بلالیا۔مگر ایک اہم قانون شکنی پر میں دو سال شکاگو جیل میں رہا۔وہاں سے رہا ہوا تو ماما نے مجھے پاکستان بھجوادیا۔اور میں نے اپنا بزنس کرلیا یہاں۔ مجھے کہتی تھیں تمہیں کوئی حد درجہ مشرقی لڑکی لاکردوں گی، بیوی کی شکل میں تاکہ وہ تمہیں سنوار دے۔

وہ بڑی سچائی سے اسے تمام باتیں بتا چکا تھا۔ وہ جو ماما سے سخت بدظن ہوگئی تھی۔ان پر ترس آنے لگا۔

تو ماما یہ بھایا تھا تمہیں قربانی کا جانور۔اس نے زہرخند انداز میں سر کو جھٹکا۔

ہاں تو بھئی، کیا کیا سنوارو گی میرا؟

اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔گولڈن نائٹ گاؤن اور چمکتے سیاہ بال دونوں بازوؤں ک تکیہ بنا۔وہ اسے بڑی طنزیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر دیکھ رہے تھے۔

کاش،تمہارے اعمال بھی تمہارے ظاہر کی طرح حسین ہوتے تو میں خود کو خوش قسمت ترین لڑکی سمجھتی۔لعنت ہے اس عورت کی زندگی پر جسے اپنے شوہر کی وفائیں حاصل نہ ہوں۔ جو باہر چلا جاتو دل وسوسوں میں گھر کر رہ جا۔جورات کی تاریکی میں کھڑکی دروازوں سے لگ کر اندازوں

سے کھیلے۔اب آتا ہوگا تب آتا ہوگا۔

وہ الماری کی جانب بڑھے تو جھٹکے دینے سے دروازہ نہ کھلا۔

کیا یہ لاکڈ ہے؟ وہ گھومے۔

مجھے کیا پتہ؟ میرا تو اس الماری سے کوئی واسطہ نہیں۔اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

مگر میں نے کبھی اسے لاک نہیں کیا۔اس بار ان کی آواز میں ترشی تھی۔

تو پھر مجھے کیا پتہ؟ چابیاں اوپر ہیں، دیکھ لیں۔اندر ہی اندر اس کا کلیجہ کانپ رہا تھا۔انہوں نیچابیاں لگائیں کوئی بھی فٹ نہیں تھی۔

میں کہتا ہوں اسے بند کس نے کیا؟ پل بھر میں وہ وحشی ہوگئے۔بلوریں گلدان اٹھا کر سنگھار میز کے آئینے پر دے مارا۔وہ لیٹی ہوئی اندر ہی اندر کانپ رہی تھی لیکن بظاہر بینیاز تھی۔

انہوں نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا۔آسمانی نائٹ سوٹ میں وہ خوفزدہ سی ہونٹ چبا رہی تھی۔

بتاتی ہو یا نہیں؟

میں کہہ رہی ہوں مجھے کوئی پتہ نہیں۔صفائی فاطمہ نے کی تھی۔

بکواس بند کرو۔۔۔

ہزار بار کہہ چکی ہو کہ میرے وجود سے اس کی بو آتی ہے۔دفعان ہوجاؤ کسی اور کمرے میں۔ بتا دو چابی کہاں ہے۔ وگرنہ مجھے سلطان کے پاس اسی وقت جانا پڑے گا۔اسی سے منگوالوں گا۔

جوتم کر رہی ہو اس میں نا کام رہو گی۔ وہ جنونی لگ رہے تھے۔

مجھے کچھ پتہ نہیں۔

انہوں نے اس کے گاؤن کی فرل کو زور سے جھٹکا دیا۔ مگر وہ بھی کوئی سیخ سلائی نہیں تھا۔ ان کا ہاتھ اپنے گلے سے جھٹکے سے ہٹا کر بولی۔

آپ اس قدر زیادتی نہیں کر سکتے۔ جس چیو کا مجھے کوئی علم نہیں۔ میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ کیا بتا سکتی ہوں؟ ہٹیں میرے سامنے سے میں جا رہی ہوں اس کمرے سے۔ کیا میں اس گھر میں سو بھی نہیں سکتی ارام سے؟ وہ کون سی کم تھی۔

زیادہ ایکٹنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نکالو چابی۔ کہاں ہے؟ انہوں نے اس کا رخسار سرخ کر دیا۔

جنگلی۔۔۔ وہ تڑپ کر رہ گئی۔

شرم نہیں آتی تمہیں اتنے بیہودہ طریقے سے جواب دیتے ہو۔ وہ مزید بھڑک گئے اور ان کے تسدد سے ناک سے خون بہہ نکلا۔ وہ وہیں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ تو عادی پینے والے تھے۔ ذرا سی رکاوٹ بھی برداشت نہیں ہوتی تھی۔

تب اس نے بیڈ کے نیچے سے چابی نکال کر ان کی سمت پھینکی۔ خود ناک پر ہاتھ رکھ کر باتھ روم میں چلی گئی۔

بیوقوف۔ بدتمیز۔ وہ چابی پا کر اسے اردو، انگریزی میں گالیاں دینے لگے۔

فرسٹ ایڈ بکس سے اس نے دوا لگائی اور گاؤن بدل کر ماما کے بیڈ روم میں چلی آئی۔

صبح وہ سو کر اٹھی تو جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ بہر حال اٹھنا تو تھا، گھر بھی دیکھنا تھا۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر باہر آئی تو پتہ چلا صاحب جا چکے ہیں۔ اس نے ٹائم دیکھا تو نو بج رہیت ھے۔

اس بات کی توقع فضول تھی کہ وہ معذرت کریں گے۔ خدا جانے اسے نباہنے کے ہنر کہاں سے آ گئے تھے۔ لڑ کر میکے جانے کا تو خیال بھی دل میں نہ لاتی۔

اس نے برائے نام ناشتہ کیا۔ گھر کی صفائی کروائی۔ دوپہر کے کھانے سے متعلق مسئلہ حل کیا۔ کیونکہ دو چار آدمی دوپہر کو ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔

اپنے کمرے میں آئی تو رات کا نقشہ نظروں میں گھوم گیا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ کہاں سے لاؤں وہ آغوش جس میں سر دے کر اپنا دکھ کہوں۔

دوپہر کو حسب توقع وہ کھانے پر آ گئے۔ کسی سے شرمندگی نہیں جھلکتی تھی۔ وہ ملازم کے ساتھ مل کر کھانا لگوانے لگی۔

یہ ڈریسنگ ٹیبل وہیں کا وہیں ہے؟ وہ اس کے سر پر کھڑے پوچھ رہے تھے۔

پھر میں کیا کروں؟ اس نے آہستہ سے کہا،

نوکر سے کہہ کر اس کا آئینہ نہیں بدلوا سکتی تھیں؟

اچھا، بدلوا دوں گی۔ سادگی سے جواب ملا۔

کبھی خود سے بھی کچھ کر لیا کرو۔ ضروری ہے کہ ہر بات کے لیے کہا جا۔

وہ خاموش رہی،نیپکن میز پر رکھ کر وہ اس کی طرف دیکھے بغیر باہر آ گئی۔

خدا جانے یہ صبر وتقویٰ تھا کہ کیا تھا۔اس نے کبھی بیرونی دنیا پر کچھ ظاہر نہیں کیا۔

ماں پوچھتیں۔خوش تو ہو بیٹی؟

خوش نہ ہونے کی وجہ؟ اپنا گھر ہے،اپنی چھت ہے۔عجب بے نیازی سے جواب ملتا۔

بہنیں پوچھتیں۔ایڈجسٹ ہوگئی ہو۔کیسے رہتے ہیں تمہارے ساتھ؟

جیسے شوہر رہتے ہیں۔بڑے سپاٹ سے انداز میں جواب ملتا۔

آتے کیوں نہیں؟

فرصت نہیں۔

پہلے کی طرح کیوں نہیں رہتیں خوش باش،کیا کمی ہے؟

خوش تو ہوں اور کس طرح رہوں؟ آپ لوگ کیا خوشی کے اظہار کے لیے ڈھول پیٹتے ہیں؟

سرد مہری سے جواب ملتا۔پر سا حال خاموش ہو جاتے۔کیسا نہ سمجھ میں آنے والا رویہ تھا۔

آج وہ ایک حسین و معصوم بیٹی کے ہمراہ گھر میں داخل ہوئی۔تو گھر پہلے سے زیادہ اپنا لگا۔پہلے سے زیادہ مضبوط۔

وہ اسے ہاسپٹل لینے آئے تھے۔اس کا سامان گاڑی میں خود رکھا تھا اور اسے سہارا دے کر گاڑی تک لا۔بیٹی کا نام انہوں نے اپنی پسند سے گل رکھا تھا۔ان کے اس انداز سے اسے بہت سکون محسوس ہوا تھا۔مگر ان کے اپنے معمولات وہی تھے۔وہ حقوق جو انہوں نے بیوی کے نام

کرنے کا وعدہ خدا کو حاضر ناظر جان کر کیا تھا۔وہ آدھے سے بھی کم اسے ملتے تھے۔محبتوں اور الفتوں کی بارشیں باہر ہوتی تھیں۔اس کے حصے میں صرف چھینٹے آتے تھے۔

اور ایک روز آ کر انتہائی درشتگی سے اپنی ٹائی کھینچ کر اتار رہے تھے۔

اس نے مزاج آشنا بیوی کی طرح سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

لگتا ہے تمہاری بیٹی سخت منحوس ہے۔تین سو چوبیس ہمیشہ میرے لیے لکی رہا ہے۔آج ایک لاکھ روپے ہار کر آ رہا ہوں۔سنا تم نے؟

میری ہی بیٹی نہیں۔آپ کی بھی۔۔ اس نے تصحیح کی۔

ہونہہ انہوں نے کوٹ اچھال کر ایک طرف پھینکا۔

یہ تو ایک نیک فال ہے۔اس نے سوچا۔

جو ہارتا چلا جاتو کیا وہ جو،ریس سے کنارہ کش ہو جاتا ہے؟ اس نے بیجخوفی سے سوال کیا۔

جی نہیں،سڑک کے کنارے کٹورہ لے کر بیٹھ جاتا ہے۔وہ بھڑک کر بولے۔

ضروری ہے کٹورہ لیا جا۔ہاتھ پاؤں کی سلامتی کے ساتھ وہ سامان بھی ڈھو سکتا ہے۔

تمہاری تو نیت ہی یہی ہے۔تمہاری تو اوقات ہی یہی تھی۔

چلی جاؤ میرے سامنے سے،ورنہ کچھ کر بیٹھوں گا۔وہ دھاڑے۔

اس کے دیور اعظم کی شادی ان دنوں ہوئی تھی۔جب وہ فر کے قابل نہ تھی۔ماما فون پر اس کا حوال پوچھتی رہتی تھیں اور ہر مرتبہ اس کے منہ سے سن کر کہ خوش ہوں ان کے دل سے بوجھ سا

سرک جاتا۔ معظم شادی میں شرکت کے لیے دو دن کے لیے گئے تھے۔ ماما کی مرضی سے ہی اعظم کی شادی وہاں مقیم پاکستانی فیملی میں ہوئی تھی۔

گل۔ اب تین سال کی ہوگئی تھی۔ ماما اصرار کر کے اسے امریکہ بلاتی تھیں۔ اس مرتبہ ان کا پروگرام امریکی ریاستوں کی سیر کا تھا۔ وہ اسے شامل کرنا چاہتی تھیں۔ وہ گل کو کے کلاسز میں دے چکی تھی۔

تب اعظم اور عظیم کے بھی بیحد اصرار پر معظم نے اسے جانے کو کہا۔

ایک دو ہفتے کی بات ہے۔ گل کو یہیں رہنے دو۔ آیا ہے اس کے پاس۔ نانا نانی ہیں، میں ہوں۔

تب وہ امریکہ چلی آئی۔ ایئرپورٹ پر سب انہیں ریسیو کرنے آ ہو تھے۔ ماما نے اسے گلے لگایا۔ تو اس کا دل بھر آیا۔

راستے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟ انہوں نے پوچھا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ویسے میری کمر تو دکھ رہی ہے، بہت لمبا سفر تھا۔ اس نے تھکی تھکی آواز میں اسے بتایا۔

اور بھئی، گل نہیں آئی؟ فرحت نے پوچھا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ انہوں نے آنے ہی نہین دیا۔ کہہ رہے تھے چند دنوں کی بات ہے تم آرام سے تفریح کر آؤ۔ ڈسٹرب کرے گی تمہیں۔

اچھا ماما کی خوشی میں تحیر تھا۔

اور بھئی، اعظم کی دلہن سے تو تمہارا تعارف نہیں کرایا۔ یہ زہرہ ہے۔ انہوں نے چھوٹی بہو کی طرف اشارہ کیا۔

اس نے زہرہ کو گلے لگا کر پیار کیا۔ نازک سی زہرہ بہت پیاری تھی۔ چہرے پر بکھری مسکراہٹ اس کی خوش اخلاقی کی مظہر تھی۔

اوہ بھابی گل کا تو اتنا انتظار تھا۔ رات بھیا کا فون آیا تھا۔ انہوں نے بھی نہیں بتایا۔ بس صرف اتنا کہا کہ آپ کو لینے پہلے پہنچ جائیں تاکہ آپ پریشان نہ ہوں۔ عظیم نے بتایا۔

ہاں بھئی، مجھے بھی اس کا بیحد افسوس ہو رہا ہے۔ لے آتیں اسے بھی۔ ماما نے کہا۔

ویسے کیسی ہو رہی ہے؟ انہوں نے محبت سے پوچھا۔

بہت شرارتی ہے ماما۔ تنگ آ جاتی ہوں۔ اس نے ہنس کر بتایا۔

پھر وہ ان کے ہمراہ گھر چلی آئی۔ بہت خوبصورت لگا۔ مگر اس کے اپنے گھر سے کم تھا۔ وہ وسیع و عریض گھر کہ بچہ اس میں کھو جاتو بمشکل ملے۔ پانچ بیڈروم نیچے، سات اوپر۔ جب ہی وہاں ہو کا علم تھا۔ اس چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں کس قدر خوشیاں تھیں۔ گل اسے بہت یاد آئی۔ اور وہ یاد نہیں کرنا چاہت تھی۔ وہ بیڈ پر نیم دراز سوچوں میں گم ماما کے کردار کا تجزیہ کر رہی تھی۔ کیا ماما خودغرض ہیں؟ جنہوں نے اپنے ہر شرعی عیب سے پر بیٹے کا ناتہ عمر بھر کے لیے مجھ سے جوڑ کر ہماری کم مائیگی سے فائدہ اٹھایا۔

مجھے اتنی محبت سے بیاہ کرلائیں۔ان کی محبت میں آج بھی کمی نہیں۔وہ اپنے ظلم کا تاوان مسلسل ادا کررہی ہیں۔سوچتی ہوں نہ اٹھا کر پٹخا ہوتا ساحل پر۔موجیں چند لمحے میرے جسم وروح سے کھیل کر اسے ہر احساس سے عاری کردیتیں۔یوں روز تو نہ جشن مرگ کا اہتمام ہوتا۔احساس کی دولت ہے کہ روز افزوں بڑھتی جاتی ہے۔کبھی محبت کرنے والے مل جاتے ہیں۔تو پھر احساسات توانا ہوجاتے ہیں۔دل ان سے بدگمان ہوتا ہے۔تو کوئی احساس گل کے روپ میں جھولی میں آن گرتا ہے۔احساس کی آگ سلگا سلگا کر مجھے جھلسایا جاتا ہے۔اور تم کیا ہو ہر بات سے بینیاز محبت کا کوئی بیکراں جذبہ تمہاری روح کو چھوتا تک نہیں۔تو تم نے کیوں مجھے لہروں سے جیت لیا تھا۔شاید تمہارے لیے موت بہت بڑا واقعہ ہے۔تمہارے مشاغل بہت پھیل گئے ہیں۔تمہیں ہر شغل سے لطف لینے کے لیے ایک عمر نوح چاہیے۔سو بس تمہاری روح میں صرف دو احساس طاقتور ہیں۔موت اور زندگی۔ماسوا کچھ نہیں۔

اور ماما۔۔۔آپ کی محبتوں کا جال اب میرے لیے وبال ہو چکا ہے۔اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

وہ میرا گھر تھا، وہ میری پہچان تھا۔وہی میری اصلیت تھی۔وہ گھر جہاں میں دو بھائیوں، دو سایہ دار اشجار میں ہمہ وقت پھلتی پھولتی تھی۔میں ان بددعا دینے والی بزرگ عورتوں کو اپنی کسی خوشی، کسی غم کا بھید بھی نہیں دوں گی۔میں بوجھ تھی۔انہیں سکھ کی نیند آئی ہوگی۔

میرے اطراف جتنی عورتیں ہیں۔آپ ماما، اماں، دادی جان۔۔۔سب سے میرا دل میلا

ہے، تب ہی پردہ سرکا کر ماما۔۔۔دودھ کا گلاس لے آئیں۔

لو دلہن پی لو۔

میری جی نہیں چاہتا ماما بس نیند آرہی ہے۔

تھوڑا سا ہی لے لو۔

پھر مجھے زبردستی پینے سے قے ہوجا گی۔ یہ وہی دودھ تھا جو میکے میں چھیڑ چھاڑ کا عنوان رہا۔بہت کچھ بدلا تھا۔مگر سرکشی کا تھوڑا انداز اب بھی باقی تھا۔وہ پہلے روز سے آج تک کسی امرت وشان سے مرعوب نہ تھی۔جیسے یہ اسے یقین تھا کہ یہ سب اسے ملنا تھا۔

وہ آنکھوں پر بازو رکھے انہیں جواب دے رہی تھی۔

وہ سمجھی ماما چلی گئیں۔اس نے بازو ذرا سا ہٹایا۔ماما ایک ٹک اس کی سمت دیکھ رہی تھیں۔

اس کی آنکھوں میں پانی تیر رہا تھا۔

ماما کی آنکھیں بھی دریا تھیں۔انہوں نے دودھ کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔وہ آنکھوں پر دوبارہ بازو رکھ چکی تھی۔تب اسے اپنے پاؤں پر گرم قطروں کا احساس ہوا۔وہ بیتحاشا چونک گئی۔

ماما اس کے پیروں میں جھکی ہوئی تھیں۔اس کے لیے یہ سب نا قابل برداشت تھا۔

وہ رو رہی تھیں۔

ماما وہ انہیں شانوں سے تھام کر بٹھاتے ہو بولی۔

انہوں نے اسے سینے سے لگالیا۔ادھر بھی طغیانی آ گئی۔

میں تم سے معافی مانگتی ہوں۔وہ تڑپ تڑپ کر رونے لگیں۔

اوہ ماما کتنی ہی دیر سمندر جوار بھاٹے کی طغیانی کے سامنے بےبس رہا۔

مجھے معاف کر دینا۔

ماما یوں نہ کہیں۔کوئی بات نہیں۔میں ٹھیک ہوں،خوش ہوں۔

اوہ میری بیٹی ایسے نہ کہا کرو۔مجھ سے کہو بیٹی جو تمہارے جی پر بوجھ ہے۔کہہ دو بیٹی تم ہنستی کیوں نہیں؟ کہو بیٹی جو گزری۔۔۔جو میں نے چاہا تھا وہ نظر نہیں آیا۔۔۔وہ وہیں ہے تو پھر تم سراسر گھاٹے میں ہو۔تم۔۔۔

وہ ان کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ان کا خوشبوؤں بھرا وجود اسے سایہ دار درخت سا لگا۔پھر کوئی لفظ،کوئی حرف بیچ میں نہ آیا۔وہ ان کا دامن بھگویا کی اور وہ اس کا۔۔۔

ان کا نیا گراافال دیکھنے کا پروگرام تھا۔اور پھر وہیں سے ماما کا اپنے دیور کے پاس ٹورنٹو جانے کا ارادہ تھا۔وہ دو بہوؤں کو اپنے عزیزوں سے ملوانا چاہ رہی تھیں۔

ابھی وہ نیا گرا فال دیکھنے سے جی بھر کر لطف بھی نہ لے پائے تھے کہ شکاگو سے عظیم کا فون آ گیا۔وہ کہہ رہا تھا کہ بڑی بھابی۔۔۔کو بلائی۔آشیانہ نے جب بات کی تو وہ کہہ رہا تھا۔

بھابی پاکستان سے بھیا کا فون آیا ہے ابھی۔۔۔وہ گل دوسری منزل سے گر گئی ہے اور اب ہاسپٹل میں ہے۔انہوں نے کہا ہے جتنی جلدی ہوسکے آجائیں۔

اس کی تو آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔سب تسلی دے رہے تھے۔ساری تفریح غارت ہوگئی۔

شکاگو پہنچ کر وہ عظیم کے ہمراہ جلد ہی پاکستان پہنچ گئی۔ماما نے کہا تھا وہ فرحت کے ہمراہ دو چار روز میں پہنچ رہی ہیں۔

وہ سیدھی گھر جانے کے بجا ہاسپٹل پہنچی۔عظیم نے سب معلوم کر لیا تھا،فون پر۔

اپنی بچی کو نیم مردہ حالت میں دیکھ کر وہ تو بیہوش ہوتے ہوتے بچی۔پتہ چلا کہ تین دن سے ہوش نہیں آیا ہے۔ویسے حالت خطرے سے باہر ہے۔وہ ایک دم شکستہ حال گھر لوٹ آئی۔

معظم اپنے بیڈ پر لیٹے کوئی فون سن رہے تھے۔

آپ سے جب اس کا دھیان نہیں رکھ گیا۔آیا سے نہیں سنبھالا گیا تو کیوں رکھا تھا اسے اپنے پاس؟اس نے فون جھپٹ کر ایک طرف رکھا۔وہ بالکل جنونی لگ رہی تھی۔

پاگل ہو رہی ہو تم۔ٹھیک ہے وہ اب،ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی ہو۔یہ کوئی طریقہ نہیں ہے۔تمہیں تو بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں۔وہ جو اسے دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔اسے اس قدر جنوں میں دیکھ کر جھلّا کر رہ گئے۔

اس کے صبح و شام کے چکر تھے۔دادی جان،اماں،رخسانہ باجی،نغمانہ،بھائی سب اس کا خیال رکھ رہے تھے۔مگر وہ پر کٹی چڑیا کی طرح بےبس پھرا کرتی۔

بچی کے دماغ پر برا اثر پڑا تھا اور اس کی آنکھیں بھی متاثر ہوئی تھیں۔دماغ کا معاملہ بہت نازک تھا۔۔۔آنکھوں سے متعلق ڈاکٹر پرامید تھے۔بچی گھر آ گئی۔بڑی عجیب عجیب

حرکتیں کرنے لگتی تھی۔ سارے گھر کے جوتے جمع کر کے ڈھیر لگا دیتی۔ نوکروں کے پاؤں سے بھی سلیپر کھینچ لاتی۔

جمعہ کی صبح وہ اپنے کمرے میں بیٹھی پردوں کے ہک نکال رہی تھی۔ لانڈری بجھوانا تھی اور نئے پردے دیکھ رہی تھی۔ کوئی ادھڑا ہوا نہ ہو۔ معظم اخبار کا جمعہ ایڈیشن لیے بیٹھے تھے۔ بچی اس کے پاس بیٹھی کھیل رہی تھی۔ یکا یک اپنی آنکھوں پر ہتھیلیاں رکھ کر مسلنے لگی۔ پھر چھوٹے چھوٹے خوبصورت قہقہے لگانے لگی۔ کلکاریاں مارتی ہنستی۔ پھر معظم کے بھاری جوتے اٹھا کر کمرے میں بھاگنے لگی۔ آشیانہ کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے معظم کو دیکھا۔ وہ بھی بڑی پریشانی سے بچی کو دیکھ رہے تھے۔

کیا ہو گا اس کا؟ وہ بھرائی آواز میں بولی۔

ٹھیک ہو جا گی۔ فکر نہ کرو۔ وہ تسلی دے رہے تھے۔ مگر آواز میں تشویش تھی۔

تھوڑی دیر میں اماں اور ابا جان آ گئے تو اس کا ذہن ادھر ادھر ہو گیا۔

میڈم۔ بیبی امارا سلیپر ادھر ادھر پھینک دیتا اے۔ ام بڑا ڈسٹرب اے۔ میرے کو چھٹی دیو۔ یہ ابنارمل بیبی کنٹرول نیں ہوتا۔

اپنے صاحب کو دکھڑا سنا دو، وہ بیٹھے ہیں۔ اس نے بچی کو گود میں اٹھا کر تلخی سے کہا۔

اس نے جانے کیا کہا۔ انہوں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اسکی تنخواہ تھمائی اور چلتا کیا۔

وہ کسی کام سے کچن میں گئی اور گل نے حسب عادت جوتوں کا ڈھیر لگا دیا۔ تھوڑی دیر بعد جوتوں

کو قیرنے سے لگایا اور بستر بنا کر لیٹ گئی اور کھلکھلانے لگی۔ معظم نے آ کر دیکھا۔ وہ لمحے بھے کر دم بخود کھڑے رہے۔ بعض اوقات ٹھیک ٹھاک لگتی اور بعض اوقات اس قدر تکلیف دہ حرکتیں کرتی جو دونوں کے لیے نا قابل برداشت تھیں۔

وہ علاج کے لیے باہر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس لیے ماما نہیں آئی تھیں۔ عظیم چند دنوں بعد ہی واپس چلا گیا تھا۔

امی کہانی سنائیں۔ ساڑھے تین سالہ گل نیہہت دنوں بعد نارمل انداز میں بات کی۔ اس نے اسے خوشی سے لپٹا لیا۔۔۔ کون سی کہانی؟

کون سی کہانی؟ اس کو یہ الفاظ بازگشت کی طرح پھیلتے لگے۔

ملکہ کی؟

گل خاموش رہی۔ کونسی کہانی بیٹی؟

وہ کہانی جہاں ایک شہزادی دو بھائیوں کے سنتھ رہتی تھی۔ ایک دن ایک دیو۔۔۔ دیو اٹھا کر لے گیا۔ وہ شہزادی آج تک قیدی ہے۔ سنائیں ناں۔

اس نیا خبار میں سے کہانی شروع کر دی۔ نافرمان شہزادہ۔

ایک بادشاہ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ بادشاہ اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ مگر شہزادہ بہت ضدی اور سرکش تھا۔ وہ کسی کی بات نہیں مانتا تھا۔ ایک دن اسے پتہ چلا۔ کوہ قاف میں کسی دیو کے پاس ایک پھول ہے جس میں ساری دنیا نظر آتی ہے اور اگر وہ پھول کسی کے سامنے کر دیا جا تو وہ اس

پھول کے مالک کا غلام بن جاتا ہے۔شہزادہ اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔اسے اللہ نے بس کنذچ دیا تھا مگر اسے بہت ہوس تھی۔وہ دنیا کے ہر ملک پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔

مگر جب وہ کوہ قاف پہنچا تو پتھر کا ہو گیا کیونکہ وہاں جو بھی آدم زاد آواز نکالتا پتھر کا ہو جاتا تھا۔

بیوقوف شہزادے نے دیو کو آواز دے دیت یھ۔شہزادے کے واپس نہ ہونے پر کچھ خیر خواہ اس کو ڈھونڈنے نکلے۔انہیں راستے میں ایک بزرگ ملے۔انہوں ے سنہرا پانی دیا کہ پتھر بنے آدمی پر چھڑکنا وہ زندہ ہو جاگا۔وہ یہین تک پہنچی تھی کہ معظم اندر داخل ہو۔

تم کیا الٹی سیدھی کہانیاں سنا کر اسے اور زیادہ ذہنی طور پر بیمار کرو گی؟ کبھی عقل بھی استعمال کر لیا کرو۔انہوں نے جھاڑا،

میرا مقصد تو اسے سلانا تھا۔اس نے سوئی ہوئی گل کو دیکھتے ہو کہا۔

وہ دوسرے آپریشن کے بعد ماما کے پاس جانے کی تیاریاں کرنے لگی کیونکہ آپریشن کے نتائج حوصلہ افزا نہیں تھے۔معظم بھی اس کے ہمراہ جانے کو تیار ہو گئے۔

بچی کی معصوم صورت اور ابنارمل حرکتیں دونوں کے اعصاب چٹخا دیتی تھیں۔

ان کی رات کی فلائٹ تھی۔وہ ضروری چیزیں یاد کر کے رکھ رہی تھی۔اماں صبح ہی نغمہ کے ہمراہ آ گئی تھیں۔وہ اس کے ہاں بہت کم آتی تھیں۔اس داماد کے اور ان کے درمیان اولین تکلف آج بھی تھا۔سادہ سی عورت داماد کی پیشانی دیکھ کر بات کرتی تھیں۔انہیں تو کبھی یہ کہنے کی ہمت بھی نہ ہوئی کہ بیٹا تم ہمارے ہاں کیوں نہیں آتے؟

اس کے سادہ سے گھر وولے اس بات پر متفق تھے کہ روپیہ محنت سے کمایا جاتا ہے اور ان کا داماد جتنا دولت مند ہے۔ظآ ہر ہے کہ محنت بھی اسی قدر کرتا ہے۔واقعی مصروف ہے۔

بھائی میاں تو شادی کے بعد بیحد مصروف تھے۔چھوٹے بھائی ایک سیاسی ماہنامے کے چیف ایڈیٹر تھے۔ان کی اپنی مصروف دنیا تھی۔ان کے لیے یہ بات کم تھی کیا کہ ان کی بیٹی نے چار سالوں میں کبھی ان سے کوئی دکھ نہیں کہا جبکہ اس کی دوسری بہنیں سسرال کی دکھی داستانیں ماں کو سنا جاتی تھیں۔

اماں جب سے آئی تھیں نوافل میں مصروف تھیں۔بچی کو سنبھالے ہوئے تھیں۔اس نے پڑھ پڑھ کر دم کر رہی تھیں۔اس نے بچی کا سوٹ کیس لاک کرتے ہو نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کیسامنے کھڑے بالوں پر اسپرے کر رہے تھے۔سنجیدہ اور خاموش خاموش۔

اس نے اس دولت مند اور خوبصورت شوہر کو یاسیت سے دیکھا اور سوچا آج کتنا فکر مند ہے۔ آج یہ شخص اپنی اولاد کی وجہ سے اپنے سو مشاغل چھوڑ کر جا رہا ہے۔کتنی خوش نصیب ہے میری بیٹی جسے باپ کی توجہ اور ہمدردی تو حاصل ہے۔

اس کو یاد تھا۔نغمانہ کی شادی تر ابا جی نے اپنے ایک رشتے کے بھائی سے چند ہزار روپے قرض لیے تے اور چچا نے انہیں دیتے ہو کہا تھا۔بھائی صاحب آپ تو بہت اہم سیٹ پر بیٹھے ہیں۔ ہر فائل آپ کے ہاتھوں سے گزر کر آگے جاتی ہے۔آپ چاہیں تو۔

میں جانتا ہوں تمہارا مقصد میاں۔ مگر میں اپنی اولاد کے لیے کنوئیں کھودنا نہیں چاہتا۔ میاں جان لو۔ یہ بات صحیح اور مشاہدے میں آئی ہے۔ جس طرح اولاد ماں باپ کے خون اور جائداد میں حصہ دار ہوتی ہے۔ ان کے گناہ اور ثواب کے نتیجے۔۔۔ بھی اولاد کے حصے میں آتے ہیں۔ پہلے مجھے ان کاموں سے خوف خدا نے روک رکھا۔ اور اب۔ میاں بچے سکھی رہیں۔ اس سے بڑی دولت کیا ہے۔ تم فکر نہ کرو۔۔ مں تمہاری رقم دو ماہ میں لوٹا دوں گا۔

اس کا جی چاہا کہ معظم کو جھنجھوڑ کر ابا جی کی یہ بات سنا۔ اور کہے۔ کیسے دوست ہو؟ کیسے دشمن ہو؟

اسی دم اسکی بیٹی اندر آ گئی اور معظم کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔ وہ اپنی آنکھوں کو عجیب سے انداز میں حرکت دے رہی تھی۔ حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکال رہی تھی۔ بے سجا معظم نے اسے گود میں اٹھالیا۔ مگر وہ مچل کر ان کی گزد سے اتر گئی۔ اور مکرے میں ھاگتے ہو چیخنے لگی۔ اس نے معظم کی سمت دیکھا۔ وہ بھی ادھر ہی دیکھ رہے تھے۔ ایک لحظہ کو ان کی نظیر ٹکرائیں۔ ہر دو طرف۔۔۔ بیچارگی تھی۔

وہاں جاتے ہو بچی کے کئی ٹیسٹ ہو۔ رپورٹیں خوش آئند تھیں۔ دماغ کی شدید چوٹ کی وجہ سے بچی کی آنکھوں پر بھی اثر تھا۔ اچانک اندھیرا چھا جانے کی وجہ سے وہ چیختی تھی اور ادھر ادھر بھاگتی تھی۔

اسے معظم پر اس وقت ٹوٹ کر پیار آ جاتا جب وہ انتہائی سنجیدگی اور تشویش سے ڈاکٹروں سے انتہائی شستہ انگریزی میں معلومات حاصل کر رہے ہوتے۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ وہی معظم

ہے جس نے اس پر تشدد کر کے کبھی معذرت نہیں کی تھی۔

آج اس کی زندگی کا ایک کڑا امتحان تھا۔۔ نیّا آر یا پار۔ بال برابر قوت برداشت کا پل صراط۔ بچی تو ہاسپٹل میں تھی۔ آج اس کا آپریشن تھا۔ وہ ماں اور معظم کے ہمراہ جا رہی تھی۔ اس کا دل دھڑ دھڑ بج رہا تھا۔ صبح کو وہ معظم کے گلے لگ کر بے ساختہ رو دی تھی۔ اور انہوں نے احمق۔۔ بیوقوف کہہ کر نا گواری کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس کی پشت تھپتھپا کر گویا تسلی دی تھی۔

شام چار بجے انہوں نے جانا تھا۔ وہ ظہر کی نماز کے لیے وضو کر کے کمرے میں آئی تو پردہ ہٹاتے ہی اس کے حواسوں پر گویا پھول برس پڑے۔

معظم خوبصرت مخملی جانماز پر رکوع کی حالت میں تھے۔

اور ول دم سادھے انہیں دیکھتی رہ گئی۔ اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔

آج یہ شخص دنیا کا خوبصورت ترین انسان لگ رہا تھا۔ اسے بیٹی کو سنائی ہوئی کہانی نافرمان شہزادہ یاد آ گئی۔

اس نے سوچا۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ ناممکن کیا بات ہے یہاں؟

بعض اوقات اپنے نفس کا لاڈلا انسان ہوس مال و جاہ میں اتنا مدہوش ہو جاتا ہے کہ اس کی ہوس بند توڑے سیلاب کو مات کر دیتی ہے اور وہ دنیا میں کسی اور تکبر میں مبتلا کر دینے والے عیش کے پھول کی تلاش میں گناہوں کے کوہ قاف میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔

اور ایسے میں مرشدوں کا اولی۔۔۔ بزرگوں کا بزرگ۔۔۔۔ سارے جہاں کا بادشاہ۔ ایک

دھچکے کا، ایک ٹھوکر کا، ایک روح کو جھنجھوڑنے والے حادثے کا سنہرا پانی عطا فرماتا ہے۔ جو اس کے تعمیر کے پتھر کو زندگی عطا کر دیتا ہے اور وہ حسب توفیق تائب ہو جاتا ہے اور اپنے ظمیر کے زندہ وجود کو سمیٹ کر اس گناوہس کے کوہ قاف سے سرپٹ بھاگتا ہے۔ کیسے نصیب والے ہوتے ہیں جنہیں یہ سنہرا پانی دیا جاتا ہے۔

بڑی کڑی قیمت، بڑے کالے کوس کے فاصلے، بری مسافتیں، اس سنہرے پانی میں بہت ہے آقا، کافی ہے مالک۔۔۔ بھرپور ہے بادشاہ۔

خدا کرے کسی کی ایسی آزمائش نہ ہو کہ اس سنہرے پانی کی نوبت آ۔

معظم آنکھیں بند کیے آیت کریمہ پڑھ رہے تھے۔

اور کوئی نہیں سوا اللہ کے۔ تو پاک ہے بیشک میں ہی اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہوں۔

اس نے چادر لپیٹی اور جانماز معظم کے ساتھ بچھالی۔

اماں کی کم عقل بیٹی جانے کتنے ادراک کے دروازوں سے گزر کر خدالازاول کے حضور سربسجود تھی۔

اختتام--------------------The End